ریاست بہاولپور کی علمی خدمات کا جائزہ

محمد طاہر

آفتاب حسین

موضوع زیر بحث متنوع پہلوؤں کا حامل ہے اس کا بنیادی مقصد خطۂ بہاول پور میں طلوع اسلام کے آغاز سے ہونے والی علمی سرگرمیوں کا مطالعہ ہے جس کی ابتداء بزرگان دین اور مشائخ کرام کی توجہ سے ممکن ہوئی۔ انہی نفوس ذکیہ کی بدولت مساجد و خانقاہوں سے متصل مدارس کا سلسلہ جاری ہوا۔ یہ دین اور علوم اسلامیہ کی ترویج کے وہ اولین مراکز تھے جن کی ضیا پاشیوں نے پورے برصغیر کو منور و تاباں کیا اور یہ سب کچھ تعلیم و تعلم کے ایک باقاعدہ نظام کے بغیر ممکن نہ تھا۔ یہ اس خطے کی خوش بختی تھی کہ اسے علی الترتیب علماء کرام کے ساتھ ساتھ علم دوست و علم پرور سلاطین اور امیران بہاول پور کی بھرپور معاونت بھی حاصل رہی۔ اسلامی دنیا اور برصغیر کے مختلف علاقوں سے علماء و فضلاء کی آمد و رفت اور حکومتی مرکز کے قیام کی بدولت اسی خطے میں متعدد معاون و غیر مقامی زبانیں بھی مروج رہیں، جن میں عربی، فارسی، اردو اور بہاول پوری زبان (سرائیکی) ذریعہ تعلیم رہیں اور انہیں درباری نشست و برخاست نے نئی جہتوں سے روشناس کرایا۔ علاوہ ازیں موضوع کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ابتداء ریاست کے قیام سے قبل اور مابعد اس خطہ میں صرف ان علماء و مشائخ کے تذکرہ کو عصری ترتیب سے بیان کیا گیا ہے جنہوں نے اشاعت اسلام کے علاوہ علمی مدارس کے قیام و تدریسی سرگرمیوں سے اس علاقہ کو منور کیا۔ علماء کرام کے تذکرہ کے بعد ریاست کے امیران کی علمی سرگرمیوں کو زمانی ترتیب و تسلسل سے بیان کیا گیا ہے۔ مضمون زیر نظر میں ان تمام علمی و لسانی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی سعی کی گئی ہے جو اس خطہ میں ۱۸۶۶ء سے پہلے انگریزی وجدید نظام تعلیم سے قبل رائج تھیں۔

سرزمین بہاول پور زمانۂ قدیم سے عظیم علمی پس منظر کی حامل رہی ہے جس کا اندازہ اس خطہ میں پائے جانے والے ان آثار رفتہ سے لگایا جا سکتا ہے جو اس کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں۔ عصری اعتبار سے ان دانشگاہوں میں سب سے قدیم ضلع رحیم یار خان میں واقع ''پتن منارا'' ہے۔ جس کے بارے میں روایت ہے کہ سکندر اعظم مقدونی کی اس خطہ میں آمد کے دوران یہ درسگاہ تعمیر ہوئی۔[1] اسی طرح بہاول پور شہر سے کچھ فاصلے پر ''سوئی وہار'' کے مقام کنشکا کے دور کی ایک دانشگاہ ۸۹ء میں بدھ مت کی تعلیم و تربیت کے لیے قائم تھی۔[2] جس کے آثار ایک شکستہ سٹوپا کی شکل میں آج بھی موجود ہیں۔ ''باب الاسلام سندھ'' سے متصل ہونے کی وجہ سے خطہ بہاول پور کو برصغیر میں

اشاعت اسلام اور دینی علوم کی ترویج واشاعت کے ابتدائی مرکز کی حیثیت حاصل ہوئی۔ اس وقت اس علاقے کا مرکز ومحور اوچ تھا جسے مذہبی لحاظ سے مشائخ کے اکثر سلسلوں کے مرکز کی بھی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے بزرگ حضرت شیخ صفی الدین گازرونیؒ کا ذکر ملتا ہے جو ۹۸۰ء میں بغداد سے اوچ تشریف لائے اور اس علاقے کو علمی و مذہبی مرکز کی حیثیت دی۔ آپ کے دور میں اوچ کے عظیم الشان دارالعلوم میں تقریباً ڈھائی ہزار طالب علم تعلیم پاتے تھے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ دارلعلوم ''فیروزیہ'' ہی ہوگا جسے سندھ کے سومرہ خاندانوں کے حکمرانوں نے اپنے دور حکمرانی (۱۰۳۲ء۔۱۳۵۱ء) میں قائم کیا۔ چونکہ اس خاندان کے حکمرانوں کا لقب ''ملک فیروز'' ہوتا تھا شاید وہی اس کے بانی ہوں گے اور مدرسہ فیروزیہ سے مراد شاہی مدرسہ ہوگا۔ اس مدرسے کے نصاب میں فقہ، اصول فقہ، تصوف، علم الکلام، معنی و بیان، اور تفسیر وحدیث کی کتب شامل تھیں۔[3] سلطان شہاب الدین محمد غوری (۱۱۷۵ء۔۱۲۰۶ء) نے اپنے دور میں اس درسگاہ کے اخراجات کے لیے وقف کا بندوبست بھی کیا۔[4] اس کے دور میں جہاں ایک طرف قطب الدین ایبک (۱۱۹۲ء۔۱۲۱۹ء) دہلی کا گورنر مقرر ہوا تو دوسری طرف ناصر الدین قباچہ (۱۲۰۶ء۔۱۲۲۸ء) کو سندھ اور ماروا ڑ کے علاقے سپرد کیے گئے۔ اپنے اقتدار کے دوران قباچہ نے اوچ کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔[5] اس دور میں تاتاریوں کے ہاتھوں وسط ایشیاء اور مشرق وسطیٰ کی سلطنتیں زیروزبر ہوئیں تو ان علاقوں کے بیشتر خانوادوں اور علماء و فضلاء نے قباچہ کے دربار سے وابستگی اختیار کی۔ اس دور میں اوچ کو برصغیر کے سب سے بڑے علمی و دینی مرکز کی حیثیت حاصل ہوئی۔ اس دور میں مشہور تصنیف ''طبقات ناصری'' کے مصنف قاضی منہاج الدین سراج (پیدائش ۱۱۹۳ء) بھی غزنہ اور ملتان کے راستے اوچ پہنچے جہاں انہیں نومبر ۱۲۲۷ء میں مدرسہ فیروزیہ کا مہتمم مقرر کیا گیا۔[6] ناصر الدین قباچہ کے دور کی ایک اور علمی شخصیت علی کوفی (پیدائش ۱۱۶۰ء) ہیں جنہوں نے سندھ کی تاریخ پر پہلی مستند کتاب 'فتح نامہ' کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ یہ کتاب بعدازاں ''چچ نامہ'' کے نام سے موسوم ہوئی۔[7]

اوچ کو اپنے روحانی و علمی فیوض سے بہرہ ور کرنے والے ابتدائی مشائخ میں سلسلہ سہروردیہ کے مشہور بزرگ سید جلال الدین غازیؒ (۱۱۹۸ء۔۱۲۹۱ء) سرفہرست ہیں جو ۱۲۴۲ء کے لگ بھگ ملتان سے اوچ میں مقیم ہوئے آپ کی کوششوں سے اس علاقے میں اسلام کی روشنی پھیلی۔ آپ نے اپنی آمد کے بعد یہاں مشہور درسگاہ قائم کی جو ''خانقاہ جلالیہ'' کے نام سے مشہور ہوئی جس میں خود آپ اور آپ کے بعد آپ کے فرزند سید احمد کبیر نے درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔ اس مدرسے کے نصاب میں تفسیر، صحاح ستہ، مشارق الانوار، شرح کبیر، مشکوۃ مصابیح، فقہ اکبر، صرف ونحو اور لغت وادب کی کتب شامل تھیں۔ آپ کی وفات کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ آپ کے اہل خانہ اور شاگردوں کی معرفت جاری رہا۔ آپ کی خانقاہ نواب بہاول خاں ثالث نے تعمیر کروائی۔[8]

اوچ کا ایک اور مشہور مدرسہ مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ (۱۳۰۸ء۔۱۳۸۴ء) کے استاد قاضی بہاؤ الدین اوچی نے ''بہائیہ'' کے نام سے قائم کیا۔اس دور میں حضرت جہانیاں جہاں گشت کے علم وفضل اور ظاہری و باطنی فیوض کی وجہ سے سلطان محمد تغلق (۱۳۲۵ء۔۱۳۵۲ء) نے آپ کو شیخ الاسلام کا عہدہ دیا اور چالیس خانقاہیں آپ کی تحویل میں دیں لیکن آپ نے حدیث مبارک ''عالم بنو، طالب بنو، علم کی باتیں سنتے رہو اور اہل علم سے محبت کرتے رہو'' پر عمل کرتے ہوئے یہ ظاہری شان وشوکت قبول نہ فرمائی اور تحصیل علم کے لیے صحرانوردی پر ہی اکتفا کیا جس کی بناء پر آپ کو جہانیاں جہاں گشت کا لقب دیا گیا۔[9] آپ کی ذات بابرکات ایک چلتے پھرتے دارالعلم کا درجہ رکھتی تھی خصوصی طور پر اوچ میں اہل علم وفضل کے گروہ در گروہ ان سے استفادہ کرتے اور طلباء اور مریدین ان کو گھیرے رہتے۔آپ کے ہمعصر ایک اور بزرگ حضرت سید حسن کبیر (۱۳۱۷ء۔۱۴۹۱ء) نے بھی ایک مثالی اور امتیازی درسگاہ کی بنیاد رکھی اسی طرح خانوادہ گیلانی کے سید محمد غوث حلبی (وفات ۱۵۱۷ء) جو ۱۴۸۲ء میں اوچ تشریف لائے، کی درسگاہ بھی خصوصی اہمیت کی حامل تھی۔اوچ میں مدرسہ فیروزیہ کے پائے کی ایک اور مشہور درسگاہ شیخ جمال خنداں رو (وفات ۱۳۲۵ء) کی خانقاہ تھی اس مدرسے کے مہتمم شیخ جمال کے بعد ان کے لڑکے شیخ رضی الدین گنج عالم (۱۲۶۸ء۔۱۳۶۸ء) مقرر ہوئے۔ان کے دور میں اس مدرسے نے ترقی کی مزید منازل طے کیں اس میں ہدایہ، بذوری، مشارق الانوار، مشکوٰۃ مصابیح اور عوارف المعارف جیسی کتب کا درس دیا جاتا تھا۔[10] سلاطین دہلی کے دور میں علمی و دینی قدر ومنزلت کے اعتبار سے اوچ کو ''قبۃ الاسلام'' کی حیثیت حاصل تھی۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس دور میں اوچ کی اہمیت کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

گویند زمین اوچ وصحرائے او کیفیتے وحالتے وارد کہ درزمیں ہائے دیگر نیست[11]

جہاں تک خطہ بہاول پور کے دوسرے علاقوں کی علمی سرگرمیوں کا تعلق ہے ان میں ریاست کے غربی علاقہ خان پور میں جہ عباسیاں کے مقام پر شیخ جنید نامی بزرگ کا ذکر ملتا ہے جو تیرھویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتے تھے ان کی خانقاہ کے ساتھ منسلک ایک مدرسہ تسلسل کے ساتھ اب تک قائم ہے۔[12] اسی طرح ضلع رحیم یار خان کے مصافات میں مئومبارک کے مقام پر ایک قدیم قلعہ کے آثار ہیں جسے رائے ساہسی نے تعمیر کروایا تھا۔اس جگہ سلطان حمید الدین حاکم (وفات ۱۳۴۹ء) جو مکران کے حکمران تھے، ترک دنیا فرما کر درویشی کے مسلک پر گامزن ہوئے۔آپ بغداد میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی، لاہور میں سید احمد توختہ اور ملتان میں حضرت بہاؤ الحق زکریا (۱۱۷۱ء۔۱۲۶۷ء) اور شاہ رکن عالم (۱۲۴۱ء۔۱۳۳۴ء) سے سلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد مئومبارک کے مقام پر مقیم ہوئے آپ دینی علوم اور تصوف کے عالم تھے اسی نسبت سے آپ نے تصوف کے موضوع پر فارسی ملفوظات ''گلزار حمیدیہ'' کے نام

سے تصنیف کیے۔[۱۳]

اسی طرح شہر بہاول پور کے قرب و جوار میں بھی ایسے بزرگوں کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے اپنی علمی و مذہبی کاوشوں سے حکومت کے عدیم الفرصتی کے احساس کو کم کیا ان میں حضرت خواجہ محکم الدین سیرانیؒ (۱۸۲۶ء۔۱۷۸۲ء) کا نام نامی سرفہرست ہے۔ آپ نے اپنی تعلیم لاہور اور دہلی کے مشائخ سے حاصل کی۔ اپنے قیام بہاول پور کے دوران آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا آپ کا علمی تجربہ اس قدر مسلمہ تھا کہ قرب و جوار کے طالب علم بھی آپ سے فیض یاب ہونے کے لیے حاضر ہوتے رہتے تھے۔ خصوصاً بہاول پور کے مدرسہ عربیہ کے طالب علموں کو جب بھی کبھی کوئی تعلیمی مشکل پیش آتی تو وہ آپ سے مستفید ہوتے تھے۔ آپ نے چند کتب بھی تحریر کیں جن میں شرح رموزات، احسن الاسرار الموسوم بہ تلقین لدنی، شامل ہیں۔ آپ ملتان کے نواب مظفر خان (۱۷۷۹ء۔۱۸۱۸ء) اور ریاست بہاول پور کے چار امیران کے ہم عصر رہے لیکن آپ نے علمی معاونت کے سلسلے میں ان حکمرانوں سے کبھی بھی کوئی وظیفہ قبول کرنا پسند نہیں کیا البتہ جب بھی ان سے ملاقات ہوتی تو انہیں خوف خدا اور عدل و انصاف کی تلقین ضرور کرتے تھے۔[۱۴] بہاول پور شہر کے ایک اور مشہور بزرگ نور شاہ بخاری ہیں جن کا دینی مدرسہ درس و تدریس کا ایک مرکز تھا۔

خطہ بہاول پور کے مشرقی علاقہ کے ایک اور مشہور بزرگ خواجہ نور محمد مہاروی (۱۷۲۹ء۔۱۷۹۱ء) ہیں جو ریاست کے تمام مضافات میں مدرسہ روحانیت کے معلم اولین سمجھے جاتے ہیں۔[۱۵] آپ نے کئی برس تک خواجہ فخر الدین دہلوی سے فیض حاصل کیا۔ آپ نے بے شمار لوگوں کی تعلیم و تربیت کی، شریعت و طریقت کا درس دیا اور ان کی کردار سازی کی۔ آپ نے عالموں اور صالح بندوں کی ایک جماعت تیار کی جنہوں نے علوم دینیہ کی روشنی سے اس خطہ کو منور کیا۔ بہاول پور کے علاقہ بہاول گڑھ (موجودہ ضلع بہاولنگر) کے مولوی اللہ بخش کا ذکر بھی کافی اہمیت کا حامل ہے۔ جنہوں نے مولانا شاہ عبدالرحیم سے دہلی میں زانوئے تلمذ طے کیا۔[۱۶] آپ کچھ عرصہ وہیں مدرس رہے اور اس کے بعد بہاول گڑھ واپس تشریف لا کر مسلمانوں کی دینی اصلاح و اشاعت تعلیم کے سلسلے میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے اس مقصد کے لیے ایک دینیات کا مدرسہ قائم کیا اور دیگر دینی درسگاہوں کی بنیاد رکھی جہاں درس و تدریس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔

ریاست کے مشرقی علاقے خیر پور کے ایک نامور بزرگ حضرت خواجہ خدا بخش (۱۷۳۷ء۔۱۸۳۴ء) ہیں۔ آپ نے ابتدائی طور مشائخ ملتان سے اکتساب علم کیا اور بعد ازاں مدرسہ رحیمیہ میں شاہ ولی اللہ (۱۷۰۳ء۔۱۷۶۲ء) سے فیض حاصل کیا۔ ملتان پر سکھوں کی یلغار کے بعد دوسرے علماء و صلحاء کے ساتھ آپ بہاول پور تشریف فرما ہوئے اور نواب صادق محمد ثانی (۱۸۰۹ء۔۱۸۲۵ء) کی درخواست پر آپ نے خیر پور میں مستقل قیام فرمایا۔ آپ کے لنگر اور مدرسے کا

تمام خرچ ریاستی خزانے سے پورا ہوتا تھا۔[۱۷] آپ کے قیام کی بدولت علاقہ خیر پور درس وتدریس کا ایک مرکز بن گیا۔ دور دراز کے علماء یہاں پہنچنے لگے۔ آپ کی ساری زندگی درس وتدریس میں گزری۔ آپ کے مدرسے میں جن علوم کی تعلیم دی جاتی تھی ان میں تفسیر، حدیث وفقہ، عقائد، علم ہیئت، صرف ونحو اور منطق ومعنی شامل تھے۔ آپ کی دو تصانیف ''ذوقیہ اور توفیقیہ'' کے نام سے مشہور ہیں۔[۱۸] جو علم توحید پر ایک گراں قدر سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

خطہ بہاول پور کے ایک اور نامور بزرگ خواجہ قاضی محمد عاقل (وفات ۱۸۱۴ء) ہیں۔ وہ حضرت خواجہ غلام فرید (۱۸۴۵ء۔۱۹۰۱ء) کے جد امجد، ایک برگزیدہ عالم اور باکمال صوفی تھے۔ آپ امیر مبارک خان ثانی (۱۷۴۹ء۔۱۷۷۲ء) اور امیر صادق محمد خاں ثانی (۱۸۰۹ء۔۱۸۲۵ء) کے ہمعصر تھے۔ آپ نے خواجہ نور محمد مہاروی کی ہمراہی میں دہلی کے سلسلہ چشتیہ کے بزرگ خواجہ فخر الدین دہلوی سے دو دفعہ ملاقات کی۔ دہلی میں ان کی ملاقات مغل بادشاہ اکبر شاہ ثانی (۱۷۰۶ء۔۱۸۳۷ء) اور بہادر شاہ ظفر (۱۸۳۷ء۔۱۸۵۷ء) سے ہوئی جن کا ذکر خود بہادر شاہ ظفر نے کیا ہے۔

صحبت پیر مغاں ہم کو خوش آئی ہے بہ دل
ہم ہیں عاقل ربط عاقل سے دلی رکھتے ہیں ہم[۱۹]

مغل بادشہ اکبر شاہ ثانی خواجہ محمد عاقل کی بزرگی وعلم سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپنے بیٹوں شہزادہ جہاں خسرو اور کاوس شکوہ کو آپ کا مرید بنایا۔[۲۰] بہاول پور میں خواجہ محمد عاقل نے کوٹ مٹھن اور چاچڑاں شریف میں مدرسے قائم کیے جہاں جلیل القدر علمائے کرام آپ کی سرپرستی میں درس وتدریس کے فرائض سرانجام دیتے تھے یہاں علماء وطلباء کو قیام وطعام کی تمام سہولتیں میسر تھیں۔ بعد ازاں جب خواجہ محمد عاقل کوٹ مٹھن سے شیدانی (تحصیل لیاقت پور) تشریف لے گئے تو وہاں بھی درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان مدارس کے نصاب میں ''مشکوٰۃ شریف، احیا العلوم، صحیح بخاری، شرح قصائد، سواء السبیل، فصوص الحکم وغیرہ کتب شامل تھیں''۔[۲۱] ان مدارس میں خواجہ صاحب بذات خود نماز ظہر کے بعد درس دیتے تھے۔ والیاں ریاست کی طرف سے ۳۵ ہزار بیگھہ پختہ اراضی بطور اوقاف مختص تھی۔[۲۲] اس علمی خانوادے سے امیران بہاول پور کو اس قدر عقیدت تھی کہ اس سلسلے کے مشہور بزرگ خواجہ غلام فرید کی تعلیم وتربیت نواب فتح محمد خان (۱۸۵۳ء۔۱۸۵۸ء) کی خواہش پر شاہی سرپرستی میں احمد پور شرقیہ میں کی گئی۔ نواب موصوف وقتاً فوقتاً نوعمر خواجہ صاحب کی علمی تربیت کا جائزہ بذات خود لیتے رہتے تھے۔[۲۳] خواجہ محمد عاقل کے ایک نامور مرید اور شاگرد خواجہ گل محمد (۱۷۵۵ء۔۱۸۲۷ء) نے بھی احمد پور شرقیہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جس میں نادار طلباء کے لیے لنگر کا انتظام بھی کیا گیا۔[۲۴] آپ اپنے

خاندان کے ہمراہ اوچ میں رہائش پذیر تھے کہ نواب صادق محمد خان ثانی کی فرمائش پر اوچ سے احمد پور شرقیہ تشریف لائے اور پھر ہمیشہ کے لیے یہیں مقیم ہو گئے اور لوگ آپ کے علم سے مستفید ہوتے رہے۔ آپ کا قائم کردہ مدرسہ آج بھی موجود ہے آپ کی ایک بڑی علمی و دینی خدمت ''تکملہ سیر الاولیاء'' ہے جس میں مشہور مشائخ وصوفیا کرام کا ذکر ملتا ہے۔

اوچ کے سلسلۂ چشتیہ کے ایک مشہور صوفی بزرگ مولانا غوث بخش جو حضرت شیخ معروف کرخیؒ کے خاندان سے تھے بہاول خان ثالث (۱۸۲۵ء۔۱۸۵۲ء) کے ہمعصر تھے۔ آپ کی علمی یادگار ''تحفۂ غوثیہ'' کے نام سے مشہور ہے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب خواص الادویہ سے متعلق ہے جس کی زبان فارسی ہے لیکن اس کی خوبی یہ ہے کہ ادویات کی فہرست بہاول پوری (سرائیکی) زبان میں مرتب کی گئی ہے۔[۲۵] یہ کتاب ایک مخطوطے کی شکل میں صادق گڑھ پیلس کے شاہی کتب خانے میں محفوظ تھی۔

ریاست بہاول پور میں بہت سے دینی مدارس باقاعدہ طور پر جاری تھے ان میں بستی مولویاں علاقہ خان پور کٹورہ کا مدرسہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی بستی سے متصل دین پور شریف کا قیام عمل میں آیا جسے ریاست بہاول پور میں ''تحریک ریشمی رومال'' کے ایک مرکز کی حیثیت حاصل ہوئی۔ اس کے بانی مولانا غلام محمد (۱۸۳۵ء۔۱۹۳۵ء) کی ابتدائی تعلیم اسی مدرسہ میں ہوئی یہاں فارسی اور عربی زبان کی ابتدائی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔[۲۶] دین پور شریف کا قیام ۱۸۷۶ء کے لگ بھگ ہوا جو دیکھتے ہی دیکھتے باطنی وظاہری علوم کا ایک بڑا مرکز بن گیا جہاں ظاہری وشرعی تعلیم کے ساتھ ساتھ روحانی تعلیم وتربیت اور تزکیہ نفس کا ایک عظیم الشان ادارہ قائم ہوا۔ یہاں حضرت شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات کی بنیاد پر ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا گیا جس میں احکام شرعی کے نفاذ کے ساتھ ساتھ ایک فلاحی ریاست کا تصور بھی موجود تھا۔ اس مدرسے سے متصل ایک مستقل لنگر قائم کیا گیا۔ اس مدرسہ میں ۱۸۸۸ء میں نوعمر مولانا عبیداللہ سندھی (۱۸۷۲ء) نے قبول اسلام کے بعد ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی۔[۲۷] اس مدرسہ میں مولانا عبیداللہ کی آمد اور تعلیم کس طرح ہوئی اس کا ذکر وہ اپنی ذاتی ڈائری میں کچھ اس انداز سے کرتے ہیں کہ:

> بھر چونڈی سے رخصت ہو کر میں اس طالب علم کے ساتھ ریاست بہاول پور کی دیہاتی مسجد میں ابتدائی عربی کتابیں پڑھتا رہا۔ اس نقل وحرکت میں دین پور پہنچا جہاں سید العارفین خلیفہ اول مولانا ابوالسراج غلام محمد صاحب رہتے تھے۔ ہدایتہ النحو تک کتابیں میں نے یہیں مولوی عبدالقادر صاحب سے پڑھیں۔ حضرت خلیفہ صاحب نے میری والدہ کو خط لکھوایا وہ آ گئیں اور واپس لے جانے کے لیے بہت زور لگایا مگر میں الحمداللہ ثابت قدم رہا۔ (یہ غلط ہے کہ میری والدہ

دیو بند پہنچیں) شوال ۱۳۰۵ء میں دین پور متصل خان پور کوٹلہ رحم شاہ چلا آیا اور مولوی خدا بخش صاحب سے کافیہ پڑھا۔ (ذاتی ڈائری ص ۱۳) [۲۸]

مغل حکومت کے دور زوال میں اس خطہ کی اس علمی و مذہبی اہمیت کے جلو میں یہاں پر عباسی داؤد پوتروں نے ۱۷۲۷ء میں اپنی ریاست کی بنیاد رکھی۔ بہاول پور کے یہ امیران اپنا سلسلہ نسب خلافت بغداد کے عباسی خلفاء سے منسوب کرتے ہیں۔ خلافت عباسیہ کے دور میں عالم اسلام کو جس قدر علمی ترقی نصیب ہوئی اس سے زیادہ ان کی علمی کاوشوں کی بدولت یورپ میں جہالت کے اندھیرے روشن ہوئے جس کی مرہون منت یورپ کی تحریک احیائے علوم ہے اور جس کا اعتراف خود اہل مغرب کو بھی ہے۔ اپنے اسی شہرہ آفاق خاندانی پس منظر کے ناطے امیران بہاول پور کو اپنی مذہبی و علمی سیادت کا ہمیشہ پاس رہا۔ جس کا عملی مظاہرہ انہوں نے اپنے دور حکومت میں بڑھ چڑھ کر کیا۔

جہاں تک امیران بہاول پور کے تحت اس خطہ کی علمی سرگرمیوں کا تعلق ہے ابتدائی امیران کا دور ریاست کے قیام کی جدوجہد اور استحکام کی نظر رہا۔ البتہ نواب محمد بہاول خان ثانی (۱۷۷۲ء۔۱۸۰۹ء) وہ پہلے حکمران تھے جن کے دربار سے متعدد علمی شخصیات کی وابستگی کا ذکر ملتا ہے۔ جس کا اندازہ اس کی طرف سے لکھے جانے والے ان فارسی زبان کے خطوط سے لگایا جا سکتا ہے جو تیمور شاہ درانی (۱۷۷۳ء۔۱۷۹۳ء) والئی کابل کو لکھے گئے۔ ان خطوط کی زبان انتہائی مقفہ و مسجع ہے جن میں فارسی کے اشعار و قرآنی آیات کے حوالے بھی ملتے ہیں:

> چون مستوفیاں دفتر قضا و قدر و متصد یان دیوان سرائے ارادت اللہ ہموارہ و تدارک امضائے فرمان واجب الاذعان ماشاء اللہ کان و مالم یشالم یکن۔ متوجہ بودہ برعایت داب عالم و اسباب اول موجبی پدید آرند کہ بردعوی یفعل اللہ مایشاء و یحکم ما یرید۔ سردار مود خان و میاں عبدالنبی کہ درالوقت خوں جگر می خوردند در ہماں قلعہ ڈیراور کہ مامن و معاذ ایشان بود جا بجا اند۔
>
> جبرے نکردہ ایم و کسی را نکشتہ ایم
> ایں بس خطا کہ عاشق روی تو گشتہ ایم [۲۹]

مذکورہ نواب کے دور میں ریاست بہاول پور کی تاریخ کے بارے میں پہلی کتاب ''مراۃ دولت عباسیہ'' لالہ دولت رائے ولد لالہ عزت رائے نے ۱۸۰۰ء کے قریب لکھی۔ [۳۰] مصنف اور ان کے والد دونوں دربار بہاول پور سے منسلک تھے اور اپنی علمی لیاقت کی وجہ سے بطور وکلاء (سفیر) بیرونی ریاستوں میں بھیجے جاتے تھے۔ [۳۱] اسی نواب کے دور میں ۱۷۷۹ء میں مولوی حفظ الاسلام اور مولوی عین الدین مع اپنے دو بیٹوں مولوی امام الدین اور مولوی غلام الدین بہاول پور تشریف لائے ان علماء کرام نے اپنے وجود سعید سے بہاول پور کے طول و عرض کو روشن کیا۔ ان

حضرات کی علمی و مذہبی کاوشوں کی بدولت امیران بہاول پور نے ریاست کا منصب قضاۃ اسی خاندان کو تفویض کر دیا۔ یہ منصب اسی خاندان کے پاس ریاست کے پاکستان سے الحاق کے بعد تک رہا۔ بہاول پور شہر میں محلہ قاضیاں اسی خاندان کے نام سے منسوب ہے۔ ریاست کے اگلے نواب صادق محمد خان ثانی (۱۸۰۹ء۔۱۸۲۵ء) نے بھی اپنے دور میں علمی سرپرستی جاری رکھی۔ مسند نشین ہونے کے بعد اراکین ریاست کا تقرر کیا تو اتالیق کا منصب مولوی شیر علی کو دیا اور بطور تاریخ نویس مولوی محمد اعظم کو مقرر کیا۔ یہ وہی مولوی محمد اعظم تھے جنہوں نے فارسی زبان میں بہاول پور کی تاریخ ''تذکرۃ الخوانین المعروف جواہر عباسیہ'' تحریر کی جس کی کتابت ۱۸۳۸ء میں ہوئی۔[۳۲] مولوی محمد اعظم کی دیگر تصانیف میں منیر اعظم، دیوان اعظم (فارسی)، مولود النبی ﷺ، حلیۃ النبی شریف (سرائیکی)، سہ حرفی (سرائیکی) خطبات ائمہ مساجد (عربی) اور اقبال نامہ شامل ہیں۔ اسی دور کی ایک اور علمی شخصیت مولوی عبدالماجد غوری ہیں جو بہاول پور میں ہی پیدا ہوئے لیکن انہوں نے اپنی تعلیم ٹونک اور عرب سے حاصل کی اور اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ ٹونک میں گزارا۔ جس کی بناء پر انہیں بہاول پوری ٹونکی مصنف کا نام دیا جاتا ہے۔ ان کے جد امجد مولوی نور النبی کو نواب بہاول خاں ثالث (۱۸۲۵ء۔۱۸۵۲ء) درگاہ اجمیر شریف سے بہاول پور لائے تھے۔ یہ بزرگ تو یہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد ٹونک واپس چلے گئے البتہ ان کے دو بیٹے مستقلاً یہاں رہائش پذیر ہوئے جن کا خاندان اپنی علمی کاوشوں کی بدولت اعلیٰ مناصب پر تعینات ہوتا رہا۔ مولوی نور النبی کی اولاد میں سے مولوی عبدالماجد غوری نے تیرھویں صدی ہجری کے اختتام تک عربی زبان میں کم وبیش ستر ۷۰ کے قریب مقالہ جات تحریر کیے۔[۳۳]

نواب بہاول خان ثالث کا دور علمی سرپرستی کے لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ وہ خود اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان تھے۔ جن کا اندازہ ان کے طرز تحریر اور حواشی سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے اس عہد کی مشہور تاریخ جواہر عباسیہ پر لکھے۔ اس کتاب کے اصل نسخہ پر نواب نے اپنے ہاتھ سے تحریر کیا کہ:

> این نسخہ مبارک مسمی تذکرۃ الخوانین المعروف جواہر عباسیہ من تصنیف مولوی محمد اعظم حسب امر سرکار در سرکار بندہ عاصی امیدوار شفاعت محمدی وسرفراز اضعف ترین عباد اللہ عبداللہ وعبدالرسول محمد رحیم یار المعروف محمد بہاول خان ثالث بالخیر عباسی عفہ عنہ الی یوم الدین آمین یارب العالمین در بہاول گڑھ شرقیہ تیار شد داخل کتاب خانہ بیستم ماہ بساکھ نسبت ۱۸۹۵ء۔[۳۴]

علاوہ ازیں نواب مذکور نے اس کتاب کے تمام حاشیے اور سرخیاں خود اپنے قلم سے خط شکستہ میں تحریر کیں جو کتاب کا اعلیٰ معیار پیش کرتی ہیں۔ کتاب مذکور کو دو کاتبوں نے تحریر کیا اس کا ابتدائی حصہ منشی سلامت رائے ولد منشی دھنپت رائے نے تحریر کیا جبکہ اس کے بقیہ حصے کی کتابت حکیم قمرالدین نے کی۔ وہ کتاب کے اختتام پر تحریر کرتا ہے کہ

''نواب مذکور نے اس کے والد کی وفات کے بعد اسے بچپن ہی میں اپنی ملازمت سے سرفراز کیا اور اسے حکمت اور طبابت کی تعلیم اپنے نامور حکماء و کاتبوں سے دلوائی''۔[۳۵] جواہر عباسیہ کے یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ ریاست بہاول پور میں کتابت و حکمت کے علوم باقاعدہ طور پر سرکاری سرپرستی میں پڑھائے جاتے تھے۔اسی طرح اس بات کے بھی واضح شواہد ملتے ہیں کہ نواب مذکور کو علوم وفنون سے اس قدر شغف تھا کہ وہ کاروبار سلطنت کے بعد اپنا زیادہ تر وقت کتب خانہ میں گزارتے تھے۔اس وقت قلعہ ڈیراور کو امیران بہاولپور کے دارالسلطنت کی حیثیت حاصل تھی۔اس قلعے کا ایک برج جو''برج ککوھا'' کے نام سے منسوب ہے، کو ریاست کے''دفتر انشاء'' کی حیثیت حاصل تھی۔[۳۶] جہاں اس دور کے نامور عالم، منشی اور کاتب موجود رہتے تھے۔نواب مذکور اہل علم کا بہت قدر دان تھا۔جواہر عباسیہ کا کاتب اس سلسلے میں تحریر کرتا ہے کہ جب اس نے کتاب مذکور کا ایک حصہ کتابت کیا تو اس کے صلے میں نواب نے اسے ایک اعلیٰ نسل کا گھوڑا بطور انعام دیا۔[۳۷] نواب بہاول خاں ثالث اپنے اعلیٰ درباری عہدیداران کو نصیحت آمیز خطوط لکھتا تھا۔خاص کر اپنے وزیر محمد یعقوب خاں کو ترک دنیا اور ہمہ وقت وظائف اور جس دم میں مصروف رہنے اور فرائض منصبی کی انجام دہی میں غفلت برتنے پر بہت ہی مدبرانہ اور فلسفیانہ خطوط لکھے جو فارسی زبان وادب کا شاہکار ہیں ایک خط کا مختصر متن ذیل ہے:

دنیا سراب است آب نما

وآخرت سرائے است ابد بقا

اکثر مردان خدا کہ جویائی استرضات ذات برحق وطالب یتانہ مطافی عالم آخرت گزیدہ اند نحسنت ترک دنیا فودہ درتزکیہ نفس آمادہ وتصفیہ باطن تیرہ کوشیدہ اند کہ تادر مشاہدہ انوار غیبی ومعائنہ تجلیات لا ریبی لذتی حاصل کنند۔[۳۸]

اسی دور میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ دو معاہدات ۱۸۳۳ء میں طے پائے جو فارسی زبان میں ہی تحریر ہوئے۔معلوم ہوتا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے مقامی ریاستوں سے تعلقات استوار کرنے کے لیے جو خطوط تحریر کیے جاتے تھے وہ بھی فارسی زبان میں مرتب ہوتے تھے۔اس قسم کے کئی خطوط دربار بہاول پور میں ۱۸۲۷ء، ۱۸۴۲ء اور ۱۸۴۳ء میں لکھے گئے۔[۳۹] باقاعدہ طور پر فارسی زبان کا ریاست بہاول پور کی سرکاری زبان ہونے کے شواہد ۱۸۴۸ء تک ملتے ہیں۔یہ وہ دور تھا جب ملتان میں انگریزوں کے خلاف دیوان مولراج نے بغاوت کی۔اس بغاوت کو فرو کرنے میں بہاول پوری فوج نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔اس دوران ریذیڈنٹ لاہور اور نواب بہاول خاں ثالث کے درمیان جس قدر خط وکتابت ہوئی وہ بھی فارسی زبان میں ہی تھی۔[۴۰] اسی دور کے ایک نیٹو ایجنٹ پیر ابراہیم

خان (وفات ۱۸۵۵ء) جو کمپنی کی حکومت کی طرف سے دربار بہاول پور میں مقرر تھے، ریاست میں ۱۸۴۰ء سے ۱۸۵۴ء تک تعینات رہے۔ پیر ابراہیم نے ۱۸۵۴ء میں فارسی زبان میں ایک سفر نامہ ''سیرستان'' کے نام سے تحریر کیا۔ اس کتاب کا بیشتر حصہ ان کے سفر انگلستان کے واقعات سے متعلق ہے جب کہ اس کتاب کا باب چہارم ریاست بہاول پور کے جغرافیائی وتمدنی حالات سے متعلق ہے۔ مؤلف نے اس باب میں اپنے قیام بہاولپور کے چودہ سالہ مشاہدات ومطالعے کے بعد یہاں کی تہذیب وثقافت کو جامع انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۸۵۴ء میں ملتان سے شائع ہوئی۔[۴۱] علاوہ ازیں پیر ابراہیم خاں کو بہاول پور میں دفتری اردو زبان کا بھی بانی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا اس لیے کہ جب ۱۸۴۶ء میں انہیں ریاست بہاول پور اور ریاست بیکانیر کے مابین سرحدوں کی حد بندی کے لیے مقرر کیا گیا تو انہوں نے سرحدی تصفیہ کی تمام رپورٹ اور خط وکتابت قدیم اردو زبان میں کی۔[۴۲]

نواب بہاول خاں ثانث کے دور میں جس قدر لوگ اراکین ریاست مقرر ہوئے وہ پڑھے لکھے تھے۔ اس دور کے ہندو وزراء میں رائے صاحبان اعلیٰ علمی صلاحیتوں کے حامل تھے جو گلوترہ قوم سے تھے جبکہ یہ خاندان ہندوؤں کے معزز اقوام کے شجرے میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس خاندان کا ریاست میں ملازم ہونے والا پہلا فرد منشی دھنپت رائے تھا جو میر منشی کے عہدے تک پہنچا۔ وہ عربی، فارسی، سنسکرت اور گورمکھی زبانوں میں دسترس رکھتا تھا۔ شاہی مراسلے تحریر کرنے کے لیے اسے خاص ید طولیٰ حاصل تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ (۱۷۸۰ء۔۱۸۳۹ء) کے دربار میں اس کے لکھے ہوئے ایک مراسلے نے اپنے طرز تحریر اور بیان کی خوش اسلوبی کی بناء پر خراج تحسین حاصل کیا۔ اس کا لڑکا منشی مقدم رائے بھی مختلف زبانوں فارسی، عربی، سنسکرت، گورمکھی کے علاوہ موسیقی، شاعری اور انشاء پردازی میں بھی اعلیٰ مہارت رکھتا تھا۔ شطرنج بھی خوب جانتا تھا اور ہمیشہ مطالعہ بالخصوص کتب تصوف میں منہمک رہتا تھا۔ اس نے ایک مشہور عالم مولوی محمود بخش صاحب سے علم حاصل کیا اور دربار میں تاریخ نویس، منشی دربار اور میر منشی کے عہدوں پر فائز رہا۔[۴۳]

امیر بہاول خان ثالث کے دور کے ایک اور عالم سیفل شاہ نامی گزرے ہیں۔ انہوں نے بہاول پوری (سرائیکی) زبان میں دلچسپ قصوں پر مشتمل ایک کتاب اور کافیاں تحریر کیں ان کے اس مجموعے کو ''سیفل'' کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔[۴۴]

نواب فتح خان عباسی (۱۸۵۴ء۔۱۸۵۸ء) کا دور اگرچہ بہت مختصر تھا لیکن اس نواب نے بھی علماء کی سرپرستی میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔ انہوں نے اپنے ولی عہد کی باقاعدہ تعلیم وتربیت کے لیے مولوی ظہور الدین کو بطور اتالیق مقرر کیا۔ اسی دور میں مولوی جمیل الدین اور مولوی محمود الدین جیسے علماء کو منصب قضاۃ پر تعینات کیا گیا جو علمائے لاہور کے خاندان سے تھے۔ اسی نواب کے دور میں پنجاب سے تعلق رکھنے والے فقیر برادران کو شہرت ملی جن میں فقیر

سراج الدین اور فقیر شہنواز الدین قابل ذکر ہیں۔اس فقیر خاندان کے جدامجد سید عزیز الدین مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار سے وابستہ تھے۔ان دونوں بھائیوں کا بہاول پور میں ورود نواب بہاول خان ثالث کے دور میں ہوا۔جیسا کہ ۱۸۵۱ء میں ممدوٹ کے مقام پر ان دونوں بھائیوں نے نواب بہاول خاں کو نذرانے پیش کیے اور اس کے مصاحبین میں شریک ہو گئے۔تاہم ان دونوں علماء کو عروج وزوال نواب فتح خان کے دور میں حاصل ہوا۔انہوں نے ''بہاول پور میں اردو ادب کی اشاعت کا سنگ بنیاد رکھا۔۱۸۵۹ء کے لگ بھگ اردو خواص کے حلقے سے نکل کر عوام میں اپنا اثر رسوخ پیدا کر چکی تھی۔لہذا ان حالات کے پیش نظر یہ بات واضح ہے کہ فقیر بھائیوں نے ریاست بہاول پور میں آ کر اردو ہی کو اظہار خیال کا ذریعہ بنایا کیونکہ یہ دونوں بھائی ایسے ماحول سے متاثر تھے جہاں اردو کو روز بروز اہمیت حاصل ہو رہی تھی''۴۵لیکن بہاول پور میں ان کی آمد کا تاریک پہلو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی آمد کے بعد دربار بہاول پور کو سازشوں اور بدعنوانیوں سے روشناس کرایا۔حتیٰ کہ فقیر سراج الدین نے اپنے عہد وزارت کے دوران ریاستی خزانے سے کم وبیش دو لاکھ روپے اور قیمتی جواہرات خورد برد کر کے اپنے والد فقیر چراغ الدین کو لاہور بھجوائے۔۴۶ غالباً ریاست بہاول پور میں بیرونی عناصر کی خورد برد اور بدعنوانی کا یہ پہلا واقعہ تھا۔

نواب بہاول خاں رابع (۱۸۵۸ء۔۱۸۶۶ء) کے دور میں اگرچہ برصغیر میں جنگ آزادی کی لہر سے تمام علاقے متاثر ہوئے لیکن بہاول پور میں اس جنگ کے کچھ زیادہ اثرات مرتب نہ ہوئے اس دور میں عملی طور پر اس خطے میں اردو زبان کی اصل آبیاری کا شرف سید مراد شاہ (۱۸۶۵ء۔۱۸۷۶ء) کو حاصل ہوا جو کہ ریاست میں نیٹو (مقامی) ایجنٹ، ناظم اور صدر منصف کے عہدوں پر فائز رہے۔ان کا تعلق ملتان کے گردیزی خاندان سے تھا۔انہوں نے اردو زبان میں پانچ جلدوں پر مشتمل ''تاریخ مراد'' تحریر کی جسے بہاول پور کی تاریخ پر اردو زبان کے سب سے پہلے ماخذ ہونے کا شرف حاصل ہے۔مراد شاہ کی اچانک وفات کی وجہ سے یہ تاریخ شائع نہ ہو سکی لیکن یہ تاریخ قلمی صورت میں ملتان کے گردیزی خاندان کے پاس موجود ہے۔اس کی جلد پنجم میں خصوصاً نواب بہاول خان ثالث کی تخت نشینی (۱۸۶۵ء) سے لے کر نواب بہاول خان رابع کی وفات (۲۵ مارچ ۱۸۶۶ء) تک کے حالات درج ہیں۔یہ جلد ۴۰۶ صفحات پر مشتمل ہے۔تاریخ مراد کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تمام واقعات کو سنین اور ماہ وایام کی ترتیب وتسلسل سے پیش کیا گیا ہے۔اس کی دوسری خوبی یہ ہے کہ مراد شاہ نے اپنے ہمعصر مورخین کی ڈگر سے ہٹ کر واقعات نویسی کا فریضہ سرانجام دیا ہے اور اس کا یہ انداز درباری مورخین اور قصیدہ گوؤں کے انداز سے ہٹ کر ہے اور جس میں حقیقت نگاری کا عنصر واضح ہے۔مؤلف اپنے فن تاریخ نویسی میں بغیر لگی لپٹی کے حقیقت کو آشکار کرنے کا خوگر ہے اور اس کا یہی انداز اسے اپنے ہمعصروں، پیش روؤں اور متاخرین سے ریاستی تاریخ نویسی کے فن میں ممتاز کرتا ہے۔جہاں تک مراد شاہ کی اردو دانی کا تعلق ہے تو اس پر فارسی کی

گہری چھاپ ہے اور صاف واضح ہوتا ہے کہ گویا فارسی کے بطن سے نوزائیدہ اردو جنم لے رہی ہے۔ تاریخ مراد کا درج ذیل اقتباس اس بات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ ''ہرگاہ نواب بہاول خاں ثالث کو نسبت محمد یعقوب وزیر ریاست کہ یہ شک ہوا کہ سرانجامی امورات ریاست میں متغافل اور ملازمان فوج وغیرہ کو عدم ادائیگی مشاہرہ سے تنگ کر رکھا ہے اور محمد قائم ماموں اس کے نے منجملہ زر آمدنی ڈیرہ غازی خاں میں تغلب کر کے داخل توشہ خانہ ریاست نہ کیا تو نواب صاحب ممدوح در پے نقصان جان محمد یعقوب ہوئے''۔[۴۷]

اسی طرح نواب صادق محمد خان رابع (۱۸۶۶ء۔۱۸۹۹ء) کے ابتدائی دور کے ایک عالم مولانا عزیز الدین کا ذکر بھی کافی اہمیت کا حامل ہے جو دولت خانہ بہاول پور شاہی مسجد کے خطیب اور امام تھے۔ جن کا تعلق گوجرانوالہ سے تھا۔ جو ریاست کے امیران کی علم دوستی کا چرچا سن کر دربار بہاولپور سے منسلک ہوئے۔ انہوں نے شعر وشاعری اور فن تاریخ گوئی میں نام پیدا کیا۔ لیکن ان کا سب سے بڑا وصف ان کی خطاطی وخشنویسی تھا جس کی بنا پر انہیں نواب بہاول کی طرف سے ''یاقوت رقم'' کا خطاب دیا گیا۔[۴۸] دولت خانہ بہاول پور کی شاہی مسجد میں خطاطی و نقاشی کا ایک باقاعدہ شعبہ ان کی سرپرستی میں قائم ہوا۔ ریاست کی تمام بڑی جامع مساجد کی تاریخ تعمیر انہوں نے نکالی اور ان میں قرآنی آیات ونقاشی کے نادر نمونے بھی اپنے ہاتھوں سے تحریر کیے۔ احمد پور کی جامع مسجد اور دولت خانہ کی شاہی مسجد میں درج ذیل اشعار مولانا کے ہاتھوں تحریر ہوئے۔

روز محشر کہ جاں گداز بود　　　　اولیں پرسش نماز بود
چراغ و مسجد و محراب و منبر　　　　ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ

درج بالا اشعار اور ان کے انداز خطاطی نے اس قدر شہرت دوام حاصل کی کہ اس کی تقلید بعد ازاں ریاست سے باہر پنجاب بھر کی دیگر مساجد نے اختیار کی۔ مولانا عزیز الدین کی تصانیف میں ''بازنامہ'' کا اردو ترجمہ، سفر نامہ حج، اور مسدس نعتیہ شامل ہیں جو مخطوطات کی شکل میں صادق گڑھ پیلس کی شاہی لائبریری میں موجود ہیں۔ مولانا عزایز الدین بعد ازاں ''صادق الاخبار'' کے ایڈیٹر اور سرکاری مطبع صادق الانور کے قائم مقام سپرنٹنڈنٹ بھی رہے۔[۴۹]

المختصر خطہ بہاول پور کو ہمہ گیر علمی سرگرمیوں کے اعتبار سے برصغیر پاک و ہند میں کلیدی حیثیت حاصل رہی ہے۔ خود ہندو اور بدھ دور کے آثار رفتہ اور قرائن سابقہ اس کی واضح دلیل ہیں۔ اگر صرف درج بالا مقالہ میں متعین خالصتاً اسلامی دور حکومت کا جائزہ ہی لیا جائے تو صرف حضرت صفی الدین گازرونی کی اوچ آمد اور برطانوی عملداری کے قیام (۹۸۰ء تا ۱۸۶۶ء) تک علمی و دینی سرگرمیوں کی آٹھ سو چھیاسی سالہ علمی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ برصغیر میں اس علاقے کو خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے اور پھر اگر ریاست بہاول پور میں صرف علاقہ اوچ کا ہی علم وعرفان

کے مرکز کی حیثیت سے مطالعہ کیا جائے تو اسے برصغیر قبتہ الاسلام کی حیثیت دینے میں کوئی عار محسوس نہ ہوگا۔ بھلا مشائخ کا وہ کونسا سلسلہ ہوگا جس کا تعلق اس خطے سے نہ رہا ہو۔ اس سرزمین میں ناصر الدین قباچہ کا دور علوم وفنون کی سرپرستی کے لحاظ سے انتہائی منفرد ہے۔ اسی دور سے علم وعرفان کے روشن ستارے دور ونزدیک سے جمع ہو کر اس خطے کے افق پر پوری آب وتاب سے چمکنے لگے اور جن کی کرنیں دیکھتے ہی دیکھتے برصغیر کو منور کرنے لگیں۔ اگرچہ قباچہ کا دور انتہائی مختصر تھا لیکن اسکے اثرات اس قدر دیرپا ثابت ہوئے کہ خطہ بہاول پور کے طول وعرض میں ریاست کے قیام ۱۷۲۷ء تک برقرار رہے اور پھر اس خطے میں ریاست بہاول پور کا ایک خود مختار اسلامی ریاست کی حیثیت سے ارتقاء نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا۔ امیران بہاول پور اور علمائے کرام کی بھرپور سرپرستی کی بدولت اس کم ترقی یافتہ علاقے میں تعلیم وتدریس کے کئی مراکز قائم ہوئے۔ اسی طرح ریاست بہاول پور کو ایک بار پھر وہی مقام حاصل ہوا جو قباچہ کے مختصر دور میں اس خطے کو علمی سرپرستی کی حیثیت سے حاصل رہا تھا۔

یہ دربار بہاولپور ہی تھا جہاں کہ وقت کے بدلتے ہوئے تیوروں کو قبل از وقت محسوس کیا گیا اور فارسی زبان کی بجائے اردو کو سرکاری حیثیت دینے کی ابتداء کی گئی۔ جس کا عملی اظہار ۱۸۴۶ء میں مراسلت ودستاویزات سے ہوتا ہے۔ ۱۸۶۷ء میں جب بنارس کے ہندوؤں نے اپنے تعصب کی بنا پر ہندی زبان کو دیوناگری رسم الخط میں رائج کرنے کا مطالبہ کیا تو عین اسی وقت ریاست بہاول پور میں سرکاری سرپرستی میں اردو کو باقاعدہ خطوط پر استوار کرنے اور اس کی اشاعت وترقی کے لیے ''صادق الانوار'' پریس قائم کیا گیا۔ جہاں سے اردو ہفت روزہ ''صادق الاخبار'' اور سرکاری گزٹ کا اجراء عمل میں آیا اور یہیں سے ریاست میں مروجہ قوانین وضوابط کو اردو زبان کا قالب دیا گیا۔

برصغیر بھر میں جبکہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کے تعلیمی اوقاف کی ضبطی کی گئی اور اس طرح دینی مدارس کی سرکاری سرپرستی ممکن نہ رہی جو ہندوستانی مسلمانوں کے ہمہ گیر دینی وعلمی انحطاط کا پیش خیمہ بنی۔ یہ اس خطے کی قدیم علمی سرگرمیوں کی فیوض وبرکات تھیں کہ اس دوران ریاست بہاولپور میں مدارس ومکاتب اور مساجد میں تعلیم کا سلسلہ جاری وساری رہا۔ اس پس منظر میں جب سرسید احمد خان نے برصغیر کے مسلمانوں کی نجات جدید تعلیم کے حصول کو قرار دیا تو خطہ بہاول پور تعلیم کے شعور سے بہرہ ور تھا۔ اس خطہ کے عوام اور حکمرانوں نے علی گڑھ کی اس تعلیمی تحریک کے ساتھ ہم آہنگی کا مظاہرہ کیا اور جدید تعلیم کو لبیک کہتے ہوئے نئی منزل کی طرف گامزن ہوئے۔

حوالہ جات

۱۔ مولانا عزیز الرحمٰن، عزیز، پتن منارا، المنبر، آثار قدیمہ نمبر، (بہاول پور، ۱۹۷۵ء)، ص ۷۷

۲۔ Punjab State Gazetteer: Vol. XXXVIA, Bahalwalpur State, 1904,Lahore.

۳۔ مسعود حسن، شہاب، خطہ پاک اوچ، (لاہور، ۱۹۸۲ء)، ص ۱۶۸۔۱۶۹۔

۴۔ مولانا حفیظ الرحمٰن، حفیظ، تاریخ اوچ، (بہاول پور، ۱۹۳۰ء)، ص ۶۹۔

۵۔ قاضی منہاج الدین، سراج، طبقات ناصری، جلد اول، (لاہور، ۱۹۷۵ء)، ص ۴۴۷۔

۶۔ ایضاً، ص ۴۴۵۔

۷۔ علی بن ابراہیم، کوفی، چچ نامہ، مترجم اختر رضوی، (کراچی، ۱۹۵۹ء)، ص ۴۴۔۴۵۔

۸۔ مولانا حفیظ الرحمٰن، حفیظ، بحوالہ سابقہ، ص ۹۷۔۹۸۔

۹۔ مسعود حسن، شہاب، اولیائے بہاول پور، (لاہور، ۱۹۴۸ء)، ص ۱۷۵۔

۱۰۔ مسعود حسن، شہاب، بحوالہ سابقہ، ص ۱۶۹۔

۱۱۔ شیخ محمد، اکرام، مجلہ جامع اسلامیہ بہاول پور، خطبہ استقبالیہ محکمہ اوقاف مغربی پاکستان، ۱۹۶۴ء، ص ۲۲۔

۱۲۔ مسعود حسن، شہاب، بحوالہ سابقہ، ص ۸۵۔

۱۳۔ مولانا عزیز الرحمٰن، عزیز، کرکرام، (دہلی، ۱۹۳۷ء) ص ۲۲۔

۱۴۔ مسعود حسن، شہاب، بحوالہ سابقہ، ص ۲۵۹۔

۱۵۔ مولانا عزیز الدین، عزیز، بحوالہ سابقہ، ص ۲۲۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۲۲۔

۱۷۔ مرزا احمد، اختر، مناقب فریدی، حصہ اول (دہلی ۱۳۱۴ھ) ص ۹۷۔

۱۸۔ مسعود حسن، شہاب، بحوالہ سابقہ، ص ۱۷۵۔

۱۹۔ مرزا احمد، اختر، بحوالہ سابقہ، ص ۳۷۔

۲۰۔ ایضاً، ص ۳۶۔

۲۱۔ ایضاً، ص ۵۰۔

۲۲۔ ایضاً، ص ۹۲۔

۲۳۔ ایضاً، ص ۹۸۔

۲۴۔ مسعود حسن، شہاب، بحوالہ سابقہ، ص ۱۶۲۔

۲۵۔ ایضاً، ص ۱۶۶۔

۲۶۔ حاجی عبیدی، دین پوری، مدینہ، (لاہور، ۱۹۷۶ء)، ص ۳۶۔

۲۷۔ ایضاً،ص۸۷۔

۲۸۔ ایضاً،ص۸۸۔

۲۹۔ محمد اشرف و مولوی محمد دین، گورگانی، *صادق التواریخ*، (بہاول پور،۱۸۹۹ء)،ص۱۷۸۔۱۷۹۔

۳۰۔ مولانا غلام رسول، مہر، *تاریخ سندھ، حصہ ششم عہد کلہوڑا*، جلد اول (کراچی ۱۹۵۸ء)ص۲۱۔

۳۱۔ محمد اشرف، گورگانی، بحوالہ سابقہ،ص۲۰۷۔

۳۲۔ مولوی محمد، اعظم، *جواہر عباسیہ*، (قلمی مخطوطہ فارسی)، (بہاول پور،۱۸۳۸ء)،ص۱۔

۳۳۔ عزیز الرحمٰن، عزیز، ماہنامہ *العزیز*، اکتوبر۱۹۴۰ء،ص۴۰۔

۳۴۔ مولوی محمد، اعظم، بحوالہ سابقہ،ص۱۔

۳۵۔ ایضاً،ص۲۴۱۔۲۴۲۔

۳۶۔ عزیز الرحمٰن، عزیز *العزیز*، ماہنامہ، اپریل،۱۹۴۰ء،ص۲۱۔

۳۷۔ مولوی محمد، اعظم، بحوالہ سابقہ،ص۲۰۸۔

۳۸۔ محمد اشرف، گورگانی، بحوالہ سابقہ،ص۲۰۸۔

۳۹۔ ایضاً،ص ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۲۴۔

۴۰۔ Administration File, Bahawalpur State, 1848,p.9.

۴۱۔ پیر ابراہیم خان، *ہیر ستان* (فارسی)، (ملتان،۱۸۵۴ء)ص۲۳۷۔

۴۲۔ فائل تصفیہ سرحدات، مابین ریاست بہاول پور اور ریاست بیکانیر، محافظ خانہ بہاولپور،۱۸۴۶ء۔

۴۳۔ عزیز الرحمٰن، عزیز، ماہنامہ *العزیز*، اگست،۱۹۴۰ء، بہاول پور ص۴۳۔۴۴۔

۴۴۔ بحوالہ سابقہ،ص۳۴۴۔

۴۵۔ ماجد قریشی، *دبستان بہاول پور*، (م۔ن۔۱۹۶۴ء)ص۲۳۔۲۴۔

۴۶۔ محمد طاہر، تاریخ بہاول پور ماخذات اور اس کے ذرائع *الزبیر*، بہاول پور نمبر، بہاول پور۱۹۹۴ء،ص۳۲۶۔

۴۷۔ سید مراد، شاہ، *تاریخ مراد* (قلمی نسخہ)، جلد پنجم، ملتان، ت۔ن۔ص۲۲۔

۴۸۔ کیپٹن منظور حسن، ماہنامہ، *نور التعلیم*، ستمبر۱۹۶۲ء، ندارد،ص۲۱۔

۴۹۔ ایضاً،ص۲۱۔

PAKISTAN JOURNAL OF HISTORY & CULTURE

Founded in January 1980, the *Pakistan Journal of History and Culture*, is a biannual research organ of the National Institute of Historical and Cultural Research, Islamabad

Published in April and October every year, the *Journal* is essentially devoted to the study of the History and Culture of Pakistan and of the Muslims of South Asia. Besides promoting research in these fields, the *Journal* also seeks to provide a forum for expression of views on Current History.

Articles appearing in the Journal are indexed and abstracted in *Periodica Islamica* (Malaysia), *Historical Abstracts* and *American History and Life* (USA).

SUBSCRIPTION RATES
(including postage by air mail)

Pakistan	SARRC Countries	Other Countries
Rs 100 a copy Rs 190 a year	Pak Rs. 130 a copy Pak Rs. 250 a year	$ 6 a copy $ 10 a year

SEND YOUR SUBSCRIPTION NOW!

National Institute of Historical and Cultural Research
Centre of Excellence, Quaid-i-Azam University
Islamabad, Pakistan.

ISSN 1012 7682